رسائل و مسائل

کامیابی اور ناکامی کی نئی قرآنی شرح

نعیم صدیقی

سوال :۔ میں آپ کی توجہ منسلکہ فوٹو اسٹیٹ اقتباسات کی طرف دلانا چاہتا ہوں، جن میں مولانا مودودیؒ کا نام لیے بغیر ان کے بعض بیانات اور خیالات کو خود ہی غلط معنی پہنا کر بزعم خویش شدید محاکمہ کیا گیا ہے۔ خصوصاً قرآن کے تصورِ کامیابی و ناکامی کو بدل دیا گیا ہے۔ اس تنقید کا جواب ترجمان القرآن میں جلد آنا چاہیے۔

جواب :۔ آپ جیسے محب اور عزیز حضرات ہر اس چیز کے سامنے آنے پر پریشان ہو جاتے ہیں جس کا مقصد مولانا مودودیؒ یا تحریک اسلامی کی فکر پر ضرب لگانا ہو۔ یہ نیک کام اصل میں دو وجوہ سے ضروری ہے: ایک یہ کہ جہاں تک مولانا مودودیؒ کی بھاری بھرکم شخصیت کے چھتنار نظامِ افکار کا تعلق ہے جب تک اس میں کیڑے نہ ڈالے جائیں، کوئی نوخیز ذہین آدمی مولانا مودودیؒ کے اس عہد میں اُبھر نہیں سکتا۔ دوسری یہ کہ ہماری اسلامی حکومت اس بات کی سخت ضرورت مند ہے کہ مولانا مودودیؒ کے اُٹھائے ہوئے تحریکی ریلوں سے ان کی مسندوں اور قالینوں اور شیشہ خانوں اور ان کے محبوب نظامِ مفاد کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ رضاکار انہیں ایسے ملتے رہیں جو ایک جوابی آئیڈیالوجی مہیا کریں۔ اور اسلام کا کوئی ایسا تصور معاشرے میں پھیلائیں کہ لوگ تبلیغ و ذکر تو شوق سے کرتے رہیں مگر حکومت و سیاست کی روش سے کوئی تعرض نہ کریں۔ دوسرے لفظوں میں وہ خالص غیر سیاسی اور غیر اجتماعی مذہب کی سرپرستی کر سکتے ہیں۔

یہ صاحب اسی خاص شان کے ساتھ اُبھرے ہیں ۔

میں کہتا ہوں کہ آپ اتنی سی بات سے گھبراتے کیوں ہیں کہ شیر کے جسم پر کوئی چیونٹی بھاگی چلی جا رہی ہے ۔ بھاگنے دیجیے، آخر اسے چند ثانیوں کے بعد واپس اپنے بل کو چلے جانا ہے ۔ کچے نظریات ، ادھورے فلسفے ، ٹیڑھے دینی تصورات اگر تھوڑی دیر کے لیے کچھ بہار دکھا لیتے ہیں تو کیا ہرج ۔ اب تو حال یہ ہے کہ تمام دانشور اور عالم اور لکھنے والے یا تو مولانا مودودیؒ کے حق میں لکھ سکتے ہیں یا اُن کے خلاف ۔ گویا سب کے ذہنوں پہ مولانا مودودیؒ کا سکہ رواں ہے ۔

میرے خیال میں یہ بات اچھی ہے کہ مخالفت کی کچھ لہریں اُٹھتی رہیں ، کیونکہ وہ ہمارے بھی دلوں اور دماغوں کو متحرک رکھتی ہیں اور ہمیں موقع دیتی ہیں کہ ہم اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے بحثیں اُٹھائیں ۔ جس داعی یا جماعت یا تحریک کی کوئی مخالفت ہی نہ کرے ، وہ مشکل ہی سے آگے بڑھ سکتی ہے ۔

اِس سارے سلسلۂ بحث و دلائل میں ایک ہی بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ قرآن میں کامیابی کا تصور کیا ہے ؟

فرض کیجیے کہ ایک شخص اپنی بستی میں تعلیمِ بالغاں کی مہم شروع کرتا ہے اور سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ لوگ اس سے تعلیم حاصل کریں ، مگر ساری جانفشانیوں ، صرفِ مال اور قربانیٔ آرام کے باوجود وہ ہزاروں کی آبادی میں بمشکل دس بیس افراد کو سکھا پڑھا سکتا ہے ـــــ درآنحالیکہ اس پر لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگاتے ہوتے ہیں ، کئی بار لوگ اس سے لڑے جھگڑے ہوتے ہیں ، کئی طرحوں سے اُسے سازشی اور سی آئی ڈی کا آدمی قرار دے کر اُسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ہوتی ہے ۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے بڑے جاگیردار اور نواب مخالفانہ سلسلہ جنبانیاں کر کے نوجوانوں کی نئی نئی تنظیمیں بنوا دیتے ہیں ۔ اور وہ معلم اس حال میں آخری سانس لیتا ہے کہ نہ ایک کچے کوٹھے سے زیادہ کوئی جائے مقام وہ حاصل کر سکا ، نہ اُسے اور اس کے بچوں کو اچھی غذا اور اچھی خوراک ملی اور نہ دنیوی مفاد کے لیے کوئی مستقبل اس کے سامنے ہے ۔

یہ کامیابی ہے یا ناکامی؟

ایک شخص کہتا ہے کہ بڑی ناکامی ہے، کیونکہ بیس پچیس برس کی محنت کے باوجود بستی تعلیم حاصل نہ کر سکی اور نہ اس خدمت کے علمبردار کو کوئی اچھا نتیجہ ملا! دوسرا کہتا ہے کہ جی نہیں، جس شخص نے خلوص سے ایک نیک مقصد کے لیے جانفشانی کی اور بظاہر اس کو حاصل کم ملا - ایسے شخص کو ایک تو ضمیر کے اطمینان کی نعمت حاصل رہی اور دوسرے آخرت میں اس کے لیے بہترین جزا ہے۔ ورنہ کون سی گارنٹی قانونِ الٰہی نے اسے دی ہے کہ وہ اگر کسی نیک کام کے لیے محنت کرے گا تو اُسے ضرور کامیاب کر دیا جائے گا!

ایک آدمی چاہتا ہے کہ بیماری کا قلع قمع ہو جائے، دوسرا کوشاں ہے کہ ہر طرف صفائی کا ماحول بالا ہو، تیسرا چاہتا ہے کہ تاریکیاں چھٹ جائیں —— اور ایسے تمام لوگ پوری پوری محنت کرتے ہیں، لیکن جو نتیجہ ان کے سامنے ہوتا ہے، مطلوبہ مقدار و معیار میں وہ برآمد نہیں ہوتا - یعنی وہ تو اپنی طرف سے مساعی کا حق ادا کر دیتے ہیں لیکن مخاطب قوت اپنی ناقص ذہنیت کی وجہ سے اس کا ساتھ نہیں دیتی - حصولِ مقصد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ کچھ حاصل نہیں ہوا جو جس قدر مطلوب تھا یا جس قدر محنت و ایثار سے کام لیا گیا تھا —— لیکن اگر خدا کے ایک بندے کی حیثیت سے خدا کے پسندیدہ مقصد کے لیے کسی کے خلوص و خدمت کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ کامیاب ہے اور دنیا میں اگر اس کے خلوص و خدمت کا پورا صلہ نہیں ملا تو آخرت میں تلافی ہو جائے گی۔

ایک مالکِ زمین کا ملازم کسان پوری محنت کرتا ہے، مگر فصل نہیں اُگتی، یا نہیں بڑھتی یا برباد ہو جاتی ہے۔ تو اگر اس کی کوتاہی نہیں تو اس کا سچا انصاف پسند مالک اُسے پورا پورا معاوضہ ادا کرے گا۔ یا ایک بادشاہ کا جنرل اگر جی جان سے دشمن سے لڑا اور فوج کو کما حقہٗ لڑایا مگر فوق الاختیار وجوہ سے شکست ہو گئی تو صحیح علم رکھنے والے انصاف پسند بادشاہ کی نگاہ میں وہ مجرم نہیں ہو گا بلکہ انعام کا حقدار ہو گا - ایک شخص عمارت کھڑی کرتا ہے اور وہ خاصی بلند ہونے کے بعد زلزلے سے گر پڑتی ہے، ایک ناخدا بڑی محنت سے کشتی کو کھے رہا ہے، مگر طوفان اُٹھتا ہے اور کشتی ڈوب جاتی ہے تو وہ ڈوبنے والوں

کا قاتل تو قرار نہیں پائے گا۔ لیکن کشتی سے محروم ہو جائے گا جو اس کا ذریعہ معاش تھی۔ ایسے واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسانی نیت، محنت اور کوشش ایک قابلِ قدر چیز ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ ہر بار اور ہر شخص کے معاملے میں اس کے ظاہری اور دنیوی نتائج ایک سے نکلیں۔

ایک رشوت خوار نے بڑی بلڈنگ کھڑی کر لی، ایک جاسوس نے دشمنوں سے مال لے کر زرخیز اراضی خرید لی، ایک عالمِ دین نے حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کر کے کاروبار چلا لیا، ایک بنک کار نے سود کی آمدن کے بل پر بچوں کو اونچی تعلیم دلوا کر ڈاکٹر، انجینئر اور پی سی ایس افسر بنوا لیا، ایک جواری نے جوئے کی بھاری رقم جیت کر اس سے ٹرانسپورٹ کا سلسلہ شروع کر دیا تو کیا یہ کامیابی ہے؟ قرآن کی تعلیم کے لحاظ سے نہیں!

ایک شخص اصولِ دین پر استوار رہتا ہے، دعوتِ حق کو آگے بڑھاتا ہے، سچائی کی حمایت کرتا ہے، فاقہ مستی کے باوجود رزقِ حرام سے دامن بچاتا ہے، مستکبرین زمانہ کی خوشامد اور مترفین کی حاشیہ برداری نہیں کرتا، قانونِ حق کو زندگی میں غالب دیکھنے کے لیے دن رات تگ و دو کرتا ہے، اس مقصد کی سرمستی میں وہ ایک جھونپڑے میں زندگی گذارتا ہے، اس کے ہاں صوفے قالین نہیں ہیں۔ کراکری نہیں ہے، آرٹ گیلری نہیں ہے، اس کا لباس تھوڑی قیمت کا ہے، اس کا کھانا بہت غریبانہ ہے، اس کے بچے تعلیم اور صحت کے لحاظ سے آگے نہیں بڑھ سکتے ـــــ تو کیا یہ ناکامی ہے؟

ناکامی تو یہ ہوتی کہ وہ اپنے اصول و مقاصد کو معاش و مال کے لیے ترک کر دیتا۔

متذکرہ ساری مثالوں کی روشنی میں گویا جدید مفسر صاحب کا کہنا یہ ہے کہ جس نبیؑ یا مردِ صالح یا داعیٔ حق نے جتنا اثر پھیلانا اور جتنے لوگوں کا تزکیہ کرنا اور جس درجے کی تبدیلیاں پیدا کرنا چاہا، وہ بطورِ امر واقعہ ہو گئیں۔ حالانکہ افراد کی سوانح عمریاں، تاریخ کے واقعات، قرآن کی آیات اور حدیث کی وضاحتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس دنیا کی حد تک اصل کامیابی دل اور روح کی کامیابی ہے۔ یہ کامیابی غریبانہ حالات میں، بلکہ جیل کی کوٹھڑیوں میں رہنے والوں اور پھانسی کے تختوں پر کھڑے ہونے والوں کو

بھی حاصل ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ ان منازل سے اپنے عقیدے اور دین اور مقصد کی خاطر گذریں۔

لیکن بے شمار عمارتوں والے، بنک بیلنس والے، گاڑیوں والے، طرح طرح کی تفریحات میں محو رہنے والے، لوگوں کے دلوں اور دماغوں اور ضمیروں کو خریدنے والے، کمزوروں پر ظلم ڈھانے والے، کبر و استکبار میں مبتلا رہنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کبھی بھی دل کی خانہ خرابی، رُوح کی باطنی اذیت اور ضمیر کی نیش زنی سے ایک لمحہ کو نجات نہیں ملتی۔ وہ بظاہر جامِ شراب چھلکا کر خوشی سے ناچتے دکھائی دیں گے، ان کو اندر سے سانپ اور کنکھجورے کاٹ رہے ہوں گے۔

یہ دو مختلف و متضاد کردار ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک طرف غالب منظر دُنیوی کامیابیوں اور قلب و رُوح اور ایمان و اخلاق کی ناکامیوں کا ہوگا۔ دوسری طرف منظر دُنیوی ناکامیوں، مگر قلب و رُوح کی شادابیوں اور ایمان و اخلاق کی فصلِ بہاراں کا ہوگا۔ ہم اسلامی معاشرے اور ریاست کے لیے وعدہ ہے کہ ایمان و اخلاق کے ساتھ علم اور جاہ و مال کو جمع کر دیا جائے گا، مگر صرف اسی صورت میں جب کہ اس کے علمبردار دینی عروج کی شرائط پوری کر دیں۔

یہ طرزِ فکر جس کے لیے قرآن میں بے شمار واضح آیات ہیں، اگر کوئی ترک کر دے تو نہ وہ "مَعِيشَةً ضَنكًا" کا مطلب پا سکے گا اور نہ "فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً" کا۔

دین کے مخلص ترین خادم دعوتِ حق کو پھیلانے کی تمام کوششیں صرف کر دیتے ہیں، مگر برسوں میں وہ چند افراد سے زیادہ لوگوں کو متاثر کر کے ساتھ نہیں لے سکتے، دوسری طرف وہ دُنیوی معاش کے لحاظ سے بھی دشمنوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کو کیا کہیے گا کہ یہ کس مقام پر ہیں صاف بات ہے کہ وہ اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے لحاظ سے کامیاب اور مستحقِ انعام ہیں، مگر ظاہری دنیوی نتائج کے لحاظ سے انہوں نے دوسری طرح کی کامیابی کو معیارِ ذہن و کردار کبھی بنایا ہی نہیں تھا۔ نہ قرآن نے کسی سے یہ چاہا کہ تم پیغام پہنچا دینے کے بعد اس بات کے ٹھیکیدار بھی

ہو کہ لوگوں کو یا اُن کی کثیر تعداد کو ضرور ہی اس پیغام کا قائل کر کے چھوڑو اور دشمنوں کو بھی اپنے جادۂ ہدایت پر چلا کر دکھا دو۔ (اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ)

کامیابی و ناکامی کے مسئلے پر ایک خاص متجددانہ تفسیر اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اس نے نظامِ حق کو دائرۂ دین و دعوت سے خارج کر دیا ہے۔ یعنی راج پاٹ سامراجی طاغوتی طاقتوں کے قبضے میں ہو، منافقین کے پاس ہو یا مترفین و مستکبرین کے قابو میں آ جائے اور سکۂ ظلم کا چلے یا ملکی دولت کی لوٹ مار ہو رہی ہو۔ یا تقسیمِ معیشت کے نظام نے غالب و مغلوب دو طبقوں کی دائمی تقسیم کر کے غریب طبقے کو پسنے کے لیے وقف کر دیا ہو، یا قانون کے سایۂ عاطفت میں تعلیم الحاد، سُود، بے حیائی، بے پردگی، غیر اسلامی تہذیب، لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات پرورش پاتے رہیں — خدا کے دین کے نقیبوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علمبرداروں کو حق نہیں کہ وہ اس نظام کی تبدیلی کی تحریکی، انتخابی اور انقلابی مساعی عمل میں لائیں۔ بس ان کا کام برسرِ اقتدار بدی کے سایے میں نیکی کی تبلیغ کرتے رہنا ہے۔

میرے خیال میں ابھی میں یہ نکات صرف آپ کے سامنے وضاحتِ حق کے لیے لکھ رہا ہوں، جن صاحب کے اقتباسات آپ نے بھیجے ہیں، ان سے باقاعدہ تعرض کو ابھی ملتوی رکھنا مناسب ہے۔ کچھ اور دلیل بازیاں ان کی سامنے آ جائیں تو پھر ایک ایک بات آیات و احادیث کی روشنی کے ساتھ رکھی جائے گی اور مغالطہ انگیز بحثوں کا پوری طرح تجزیہ کیا جائے گا۔